لوئیس بریل

مصنف: ارِوند گُپتا

ترجمہ: محمد زبیر

لوئیس بریل

لوئی اپنے گھر کے باہر بیٹا تھا۔روئی کے گولوں جیسے بڑے بڑے بادل آسمان میں تیر رہے تھے۔ پاس کے کھیت میں کسان ہل چلا رہے تھے۔ دور چراگاہ میں کئی گائیں چر رہی تھیں۔ ایک تِتلی سورج مکھی کے پھولوں پر منڈرا رہی تھی۔ لیکن لوئیس اس سب کا مزا نہیں لے سکتا تھا۔ پانچ سال کا لوئیس بریل دونوں آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا تھا۔

وہ ہمیشہ سے ہی ایسا نہیں تھا۔ ایک وقت تھا جب وہ دوسرے لوگوں کی طرح اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے پہلے تین سالوں تک قدرت کی ساری رنگینیوں کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ آسمان میں اُڑتی چڑیوں کو دیکھنے کا مزا لے سکتا تھا۔ اپنے ماں باپ، بھائی بہن اور پاس پڑوس کو پہچان سکتا تھا۔ لیکن ایک دن سب کچھ بدل گیا۔

لوئیس کے والد سائمن بریل گھوڑوں کی زین بناتے تھے۔ وہ اپنی کاریگری کے لیے پورے فرانس میں مشہور تھے۔ لوئیس کے والد جب اوزاروں سے چمڑا کاٹتے اور سلائی کرتے تو اُسے یہ سب دیکھنے میں بڑا مزا آتا۔ لوئیس صرف تین سال کا تھا۔ اس لئے وہ اپنے والد کے کام کو ہی اپنانے کا فیصلہ کیا تھا۔

سائمن لوئیس کی ورکشاپ دیکھنے کے قابل تھی۔ دیوار پر چمڑے کو کاٹنے اور اُن میں سوراخ کے لئے کئی طرح کے چاقو، سُوئے اور اِسی طرح کے کئی اور اوزار لٹکے تھے۔ لوئیس اُن سبھی اوزاروں کو چھونے کی کوشش کرتا تو اُس کے والد اُس کو ڈانٹ دیتے۔ والد کو لگتا تھا کہ اُن کے چھوٹے سے بیٹے کو اُن نوکیلے اور دھاردار اوزاروں سے کہیں چوٹ نہ لگ جائے۔

ایک دِن کی بات ہے کہ لوئیس کے والد شہر سے باہر چمڑا لینے کے لئے گئے تھے۔ ماں پیچھے کھیت میں دوپہر کے کھانے کے لئے سبزیاں توڑنے کے لئے گئی تھی۔ باقی اور لوگ بھی اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ کسی کے پاس بھی چھوٹے لوئیس کے ساتھ کھیلنے کا وقت نہ تھا۔ کچھ دیر تو لوئیس باہر باغ میں مٹر گشت کرتا رہا۔ وہ کبھی کسی تتلی کو پکڑنے کے لئے دوڑتا تو کبھی لکڑی کی ڈنڈی سے زمین کھودتا۔ کافی دیر تک یہ کرتے کرتے اُکتا گیا۔ اُسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ چلتے چلتے وہ اپنے والد کی ورکشاپ کے سامنے سے گزرا۔ ورکشاپ کا دروازہ کھلا تھا اور اندر کوئی نہ تھا۔ میز پر چمڑے کا ایک ٹکڑا پڑا تھا اور اُس کے پاس ہی چمڑے میں سوراخ کرنے کا ایک نوکیلا سُوا پڑا تھا۔ اُس نے سُوئے سے چمڑے پر کچھ لکھنے کی کوشش کی۔ چمڑا چکنا تھا، چمڑے پر سے سُوا پھِسلا اور سیدھا لوئیس کی دائیں آنکھ میں لگا۔ لوئیس کی چیخ سُن کر ماں دوڑی دوڑی آئی۔ اُنہوں نے لوئیس کی آنکھ کو چُھو کر اُس پر پٹی باندھی۔ لوئیس کی آنکھ میں تیز کُھجلی ہوئی۔ اُس نے ہاتھ سے اپنی آنکھ کو رگڑا۔ آہستہ آہستہ اُسے ایسا لگا جیسے اُس کی آنکھ کے سامنے اندھیرا چھا گیا ہے۔ دائیں آنکھ سے بائی آنکھ میں بھی اِنفیکشن پھیل گیا اور اُس کی روشنی بھی کم ہونے لگی۔ کچھ دِنوں بعد لوئیس کو ایسا لگا جیسا کہ کسی نے اُس کی آنکھوں کے سامنے کالا پردہ ڈال دیا ہو۔

لوئیس اِس حادثے کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے چھوٹا تھا۔ وہ بار بار اپنی ماں سے پوچھتا "ماں سورج کب نکلے گا؟ چندا ماما آسمان میں کب نکلیں گے؟" ماں اس کا کیا جواب دیتی؟ اُنہیں معلوم تھا کہ لوئیس اب اپنی آنکھوں سے کبھی بھی چاند ستاروں کو نہیں دیکھ سکے گا۔

نابینا کی زندگی

یہ حادثہ لگ بھگ دو سو سال پُرانا ہے۔ آج نابینا بچوں کے لئے خاص طرح کے سکول ہیں جن میں وہ لکھنا پڑھنا اور دیگر کام سیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اُنیسویں صدی کے شروع میں ایسی سہولتیں نہیں تھیں۔ نابینا نہ تو کوئی علم حاصل کر سکتے تھے اور نہ ہی کوئی ہنر حاصل کر سکتے تھے۔ کچھ نابینا لوگ گاڑیوں اور ہلوں میں جانوروں کی طرح جوتے جاتے تھے تو کچھ ساری زندگی کانوں میں کوئلہ ڈھونے کا کام کرتے تھے۔ لیکن زیادہ تر اندھے لوگ بھیک مانگا کر ہی اپنا گزارہ کرتے تھے۔ نابیناؤں کی حالت بہت خراب تھی۔ کبھی اُنہیں کھانا مل جاتا تھا اور کبھی بھوکے پیٹ ہی کسی پُل کے نیچے یا سڑک پر سونا پڑتا تھا۔

بریل خاندان نہیں چاہتا تھا کہ اُن کا بچہ بھی ایسے ہی زندگی بسر کرے۔ وہ اپنے بچے کی زندگی کو جتنا ممکن ہو سکتا تھا اُتنا پُرسکون بنانا چاہتے تھے۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ آنکھوں سے دیکھ نہ پانے کی وجہ سے شروع میں تو لوئیس چلتے وقت آس پاس کی ہر ایک چیز سے ٹکراتا۔ سبھی لوگ اُسے ٹکراتے ہوئے دیکھ کر چلاتے "ٹھہرو"۔ خاندان کے لوگ چاہتے تھے کہ لوئیس آہستہ آہستہ اپنے آپ اِدھر اُدھر جانا سیکھے۔ وہ دیگر لوگوں کے آسرے نہ رہے۔ ماں باپ لوئیس کو اپنا کام خود کرنے کے لئے اُس کا حوصلہ بڑھاتے۔

لوئیس گھر کے کام میں اپنی ماں کو پوری مدد کرتا تھا۔ وہ روز صبح اُٹھ کر کنوئیں سے پینے کا پانی بھر کر لاتا۔ آنے جانے کا راستہ کافی اُونچا نیچا تھا۔ کبھی کبھی وہ راستے میں کسی پتھر سے ٹکرا کر لڑھک جاتا اور بالٹی کا سارا پانی بہہ جاتا۔ لیکن آہستہ آہستہ اُسے ہر قدم کی اچھی طرح پہچان ہو گئی۔ والد نے لوئیس کے لیے

ایک پتلی چھڑی بنادی۔ لوئیس چلتے چلتے اپنی چھڑی کو ہوا میں ہلاتا۔ اگر وہ کسی چیز سے ٹکراتی تو وہ فوراً اپنا راستہ بدل دیتا۔ آہستہ آہستہ وہ چلنے میں اِتنا ماہر ہو گیا کہ چھڑی کے بغیر بھی اُسے سامنے آنے والی دیوار یا کسی دیگر چیز کا احساس ہو جاتا تھا۔ اِس کے لئے وہ سیٹی بجاتا ہوا چلتا تھا اس سے اُسے دیوار یا دروازہ سامنے آ رہی رکاوٹ کا احساس ہو جاتا تھا۔ کروڑوں سالوں سے چمگادڑ اپنا راستہ ڈھونڈنے کے لئے اِسی "سونار" تکنیک کا اِستعمال کر رہے ہیں۔ چمگادر کی نگاہ بہت کمزور ہوتی ہے۔ اندھیری غاروں میں وہ اُڑتے ہوئے اپنے منہ سے اُونچے سُر کی سیٹی بجاتے ہیں۔ سیٹی کی آواز آگے آگے دوڑتی ہے۔ جب آواز کسی سخت چیز سے ٹکراتی ہے تو اُس کی بازگشت چمگادڑ کو واپس سُنائی دیتی ہے، اور وہ ٹکرانے سے بچنے کے لئے اپنی سمت تبدیل کرلیتا ہے۔

لوئیس کچھ چیزوں کو اُن کی خوش بو سے جان لیتا۔ لیکن زیادہ تر چیزوں کی پہچان وہ اُن کی آواز سے کرتا۔ وہ شہر گاؤں کے تمام لوگوں کو اُن کی الگ الگ آوزوں سے پہچان لیتا۔

ایک اچھا دوست

لوئیس دوسرے بچوں سے الگ تھا۔ لیکن جب لوگ کہتے " دیکھو بے چارہ لوئیس کہاں جا رہا ہے۔" تو اُسے بہت غصہ آتا۔ یہ سچ تھا کہ وہ بہت سے کام نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کتاب نہیں پڑھ سکتا تھا، وہ آنکھ مچولی نہیں کھیل سکتا تھا۔ لیکن وہ بہت سے کام کرنا سیکھ گیا تھا۔ شہر میں ایک نئے پادری آئے۔ اُن کے آنے سے لوئیس کی زندگی میں ایک نئی روشنی آ گئی۔ وہ ہفتے میں چار دِن لوئیس کو چرچ میں بلاتے اور اُسے تاریخ اور سائنس کے بارے میں دلچسپ کہانیاں سُناتے ۔ اِن کہانیوں کو لوئیس اپنی ساری زندگی نہیں بُھولا۔ پادری صاحب ایک مصروف آدمی تھے اور آہستہ آہستہ لوئیس ایسے سوال پُوچھنے لگا جن کا جواب پادری صاحب کو بھی نہیں معلوم تھا۔

اُس شہر میں صرف ایک سکول تھا اور اُن میں ایک نئے ٹیچر آئے تھے۔ پادری نے ٹیچر سے جا کر پوچھا کہ کیا وہ لوئیس کو اپنے سکول میں پڑھنے کی اجازت دے گا؟ لیکن سکول کا کمرا بہت چھوٹا تھا اور پہلے ہی بچوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ لیکن ٹیچر پادری کی بات کو ٹال نہ سکا اور آخر کا لوئیس نے سکول جانا شروع

کر دیا۔ وہ کچھ پڑھ تو نہیں سکتا تھا لیکن وہ بہت توجہ اور دھان سے سب کچھ سُنتا اور اُسے یاد رکھنے کی کوشش کرتا۔ یہی ایک طریقہ تھا جس کے ذریعے وہ سیکھ سکتا تھا۔ اُس کی یادداشت تو پہلے سے ہی اچھی تھی۔ لیکن مشق سے وہ اور اچھی ہو گئی تھی۔ ٹیچر کی بتائی ہوئی کوئی بھی بات اُسے مہینوں تک یاد رہتی۔ وہ ریاضی کے سوالوں کو بھی اپنے دماغ میں ہی تیزی سے حل کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن جب ٹیچر کہتے " بچو اپنی کتاب کا صفحہ 68 کھولو اور پڑھو" تو اس کا دِل بیٹھ جاتا۔ کبھی کبھی وہ کتاب پر لکھی عبارت کو اپنی اُنگلیوں سے چھوتا۔ لیکن لمس سے وہ کچھ پہچان نہ سکتا۔ وہ اتنا ضرور سمجھنے لگا کہ کتابوں میں دنیا بھر کی بے شمار معلومات پڑی ہے۔ لیکن وہ ان کتابوں کو کبھی پڑھ پائے گا؟

اکثر لوگ اُس کی باتوں کا تسلی سے جواب دیتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی اپنی مصروفیات کی وجہ سے اُسے ٹال دیتے تھے۔ کاش لوئیس خود پڑھ سکتا اور اپنے سوالوں کا جواب خود ڈھونڈ پاتا؟ اِس اندھیری دُنیا میں کوئی تو رستہ ہو گا؟ لوئیس اُسے ضرور کھوجنے کی کوشش کرے گا۔

لوئیس اب دس سال کا ہونے والا تھا۔ گاؤں کے سکول میں وہ بس کچھ دن ہی اور جا سکتا تھا۔ اس دوران پادری کو پتا چلا کہ پیرس میں اندھے بچوں کا ایک سکول ہے۔ پادری صاحب نے اُس سکول کے بارے میں معلومات منگائی۔

یہ نابیناؤں کے لئے ایک خاص سکول تھا۔ کافی خط لکھنے کے بعد لوئیس کو پیرس میں واقع رائل اِنسٹی ٹیوٹ فار دی بلائنڈ میں داخلہ ملا۔ لوئیس کے ماں باپ اُسے خود سے دُور نہیں بھیجنا چاہتے تھے۔ لوئیس صرف دس سال کا تھا اور وہ یہاں اپنے شہر "کوپروے" میں خوش تھا۔ لیکن پادری صاحب نے اُن کی کافی منت سماجت کی۔ پادری صاحب نے کہا کہ " دیکھو لوئیس اب بڑا ہو رہا ہے۔ وہ دیگر بچوں سے الگ ہے اور اُس میں نیا سیکھنے کی بہت چاہ ہے۔ اِس لئے اُسے ایک خاص سکول میں ہی جانا چاہئے۔" آخر میں لوئیس کے ماں باپ راضی ہو گئے۔

نیا سکول

فروری 1819 میں لوئیس ایک گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر پیرس کو لئے روانہ ہوا۔ ہچکولے کھاتی گاڑی میں لوئیس نئے سکول کے خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن وہاں پہنچنے پر اُن نے سکول کو اپنی سوچ سے بالکل مختلف پایا۔ نیا سکول بہت بڑا تھا اور وہ اُس میں پہلے پہل تو ایک دم سہم گیا۔

اُس میں قریب کے نابینا بچے پڑھتے تھے اور وہاں بہت شور وغل ہوتا تھا۔ اُسے سب طلبہ کے نام بتائے گئے۔ وہ اتنے سارے ساتھیوں کے ساتھ کبھی بھی نہیں پڑھا تھا۔ لوئیس بہت اکیلا پن محسوس کرنے لگا۔

دس سالہ لوئیس اپنے ماں باپ سے کبھی بھی دُور نہیں رہا تھا۔ اُسے رہ رہ کر گھر کی یاد ستانے لگی۔ آخر میں وہ تکئے میں منہ چھپا کر زور زور سے رونے لگا۔ تبھی کسی نے اُسے ایک رومال تھمایا اور دوستی کی آواز میں کہا" پہلے دن سبھی بچوں کو ایسے ہی لگتا ہے۔ میں بھی پہلی رات رویا تھا۔ پھر بعد میں سب ٹھیک ہو گیا۔" اس لڑکے کا نام گیبرئیل تھا۔ وہ لوئیس کا پہلا دوست بنا۔

لوئیس کو اس اجنبی جگہ میں ایک دوست کی ضرورت تھی۔ اس بڑے شہر میں ہر جگہ بہت بھیڑ اور گندگی تھی۔ وہ گاؤں سے آیا تھا جہاں دھوپ اور صاف ہوا کی کمی نہ تھی۔ وہ اپنے گھر میں روزانہ تالاب میں جا کر نہایا کرتا تھا۔ لیکن اس سکول میں سو بچوں کے نہانے کے لیے صرف ایک غسلخانہ تھا۔

سکول کی بڑی عمارت چھوٹے لوئیس کے لئے کسی بھول بھلیوں سے کم نہ تھی۔ اِتنے ساری راہداریوں، برآمدوں، کمروں اور سیڑھیاں، لوئیس اکثر اپنا راستہ بُھول جاتا تھا۔ جلد ہی وہ سکول کی عمارت سے اچھی طرح شناسا ہو گیا۔ صبح سے شام تک سکول میں وہ اب اِتنا مصروف رہتا کہ اُسے دُکھی ہونے کے لئے وقت ہی نہیں ملتا تھا۔

صرف ایک بار سُن لینے کے بعد سبق ہمیشہ کے لیے لوئیس کے دماغ میں کندہ ہو جاتا تھا۔ اُس کی عمر صرف دس سال کی تھی اور شاید وہ سکول میں سب سے چھوٹا تھا۔ پھر بھی وہ سبھی مضامین میں اپنے ساتھیوں سے آگے رہتا تھا۔ دوپہر کے بعد بچے سکول کی ورکشاپ میں بُنائی اور چمڑے کی چپلیں بنانے کا کام سیکھتے۔ ہاتھ کے کام میں لوئیس بہت ماہر تھا۔ باپ کی ورکشاپ میں اُسے اچھی ٹریننگ ملی تھی۔ پہلے سال ہی لوئیس کو سب سے اچھی بُنائی اور چپلین بنانے کے لئے انعام ملا۔ شام کو لوئیس موسیقی سیکھتا۔ اُس نے کئی ساز بجانا سیکھے۔ لیکن اُسے پیانو بجانے میں بہت مزا آتا تھا۔ موسیقی سے اُس کی زندگی ہمیشہ کے لئے خوشیوں سے بھر گیا۔

کبھی کبھی سکول کی طرف سے بچوں کو پیرس شہر گھمانے لے جایا جاتا تھا۔ نابینا بچوں کا شہر کی بھیڑ میں کھو جانے کا ڈر رہتا تھا۔ اِس لئے سبھی بچوں کو ایک لمبی رسی پکڑ کر چلنا پڑتا تھا۔ کچھ وقت کے بعد پیرس کے گلی محلوں کو اُن کی آوازں کی طرف خوشبوؤں سے اچھی طرح پہچاننے لگا۔

پڑھنے میں دُشواری

اِس طرح دِن گزرتے گئے۔ لوئیس اپنے نئے سکول میں خوش تھا لیکن ایک بات اُسے ہمیشہ کھٹکتی رہتی تھی۔ نابینا طالب علم کے پڑھنے کے لئے کتابیں نہیں تھیں۔ اُس وقت نابیناؤں کے پڑھنے کا صرف ایک طریقہ تھا۔ اِس طریقے میں ہر حرف کو کاغذ پر اُبھار کر چھاپا جاتا تھا جسے چُھو کر محسوس کیا جا سکے۔ کچھ حروف کو اِس طرح محسوس کر کے پہچان پانا تو آسان تھا۔ لیکن کچھ حروف کو پہچانے میں بہت مشکل ہوتی تھی۔ مثال کے طور Bایک دم Rجیسا محسوس ہوتا ہے۔ لوئیس نے اِسے سیکھنے میں بہت محنت کی۔

آہستہ آہستہ وہ محسوس کر کے الگ الگ حروف کو پہچاننے لگا اور اُنہیں جوڑ جوڑ کر الفاظ پڑھنے لگا۔ لیکن اِس طریقے سے پڑھنے میں بہت وقت لگتا تھا۔ آخر تک پہنچنے سے پہلے ہی آپ شروع کی بات بھول جاتے تھے۔ اِس طریقے کے استعمال سے شاید ایک کتاب پڑھنے میں ہی مہینوں لگ جاتے تھے۔ اُس وقت ایک یہی طریقہ سب سے مناسب سمجھا جاتا تھا۔

نابیناؤں کے لئے کتابیں بنانے کی کئی کوششیں کی گئیں۔ اُبھرے حروف، ڈور کے بغیر بنے حروف، لکڑی اور موم کے بنے حروف۔ اِس سمت کافی کوششیں ہوئیں تھیں۔ لیکن ان سبھی تکنیکوں میں کئی خامیاں تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ لوئیس کے سکول کے مرکزی کُتب خانے میں نابیناؤں کے لئے صرف پندرہ کتابیں تھیں۔ اُبھرے ہوئے حروف کی کتابوں کا بندوبست ایک مہنگا کام تھا۔ اس میں ہر ایک حرف بڑا ہوتا تھا کہ ہر ورق میں صرف کچھ سو الفاظ آ سکتے تھے۔ اس سے کتابیں بہت موٹی اور بھاری بھر کم ہو جاتی تھیں۔ اس طریقے سے اندھے بچوں کے لئے کتابوں کا چھاپنا تقریباً ناممکن تھا۔

کتابوں کے بغیر نابینا بچوں کی زندگی گہرے اندھیروں میں تھا۔ خود پڑھ کر ہی وہ دُنیا جہان کی معلومات حاصل کر سکتے تھے۔ کتابیں ہوتیں تو وہ بہت کچھ پڑھ سکتے تھے اور سیکھ سکتے تھے۔ لیکن کتابون کے بغیر اُن کا مستقبل اندھیروں میں تھا۔

اُنہیں دِنوں کیپٹن بار بیئر سکول میں آئے۔ اُنہوں نے فوجیوں کے لئے ایک انوکھی تحریر ایجاد کی تھی۔ اس لکھائی کو چُھو کر رات کے اندھیرے میں بھی پڑھا جا سکتا تھا۔ اِس تحریر میں کاغذ کی لمبی پٹی پر نوکیلے سُوئے سے سوراخ کئے جاتے تھے۔ جب کاغذ کو پلٹا جاتا تھا تو اُبھرے ہوئے نقاط کو اُنگلیوں کے لمس سے محسوس کر کے پڑھا جا سکتا تھا۔ اس تحریر میں آوازوں کا استعمال ہوتا تھا۔ ہر ایک آواز کو نقاط کے ایک خاص نمونے سے ظاہر کیا جاتا تھا۔ شاید فوجیوں کے لئے بنائی یہ خفیہ تحریر نابینا بچوں کے لئے بھی کچھ کام آئی؟

اس تحریر میں استعمال کئے گئے نقاط کی کئی باتیں تو بہت اچھی تھیں۔ نقاط اِتنے چھوٹے تھے کہ اُنہیں اُنگلیوں کے پور سے محسوس کیا جا سکتا تھا۔ پر اُس میں کچھ خامیاں بھی تھیں۔ یہ تحریر آسان اور چھوٹے چھوٹے پیغامات بھیجنے کے لئے تو ٹھیک تھی لیکن کتابیں لکھنے کے لئے نہیں۔

کیپٹن بار بیئر کی تحریر نابیناؤں کے لئے تو ٹھیک نہیں تھی پر جن نقاط کا اُنہوں نے استعمال کیا تھا شاید اُنہیں نابیناؤں کے لئے کسی دُوسرے روپ میں اپنایا جا سکے؟ لوئیس اب دِن رات اسی کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ جلد ہی لوئیس نے اس پر کام شروع کیا۔ وہ نقاط سے ایک ایسا طریقہ ایجاد کرنا چاہتا تھا جس سے نابینا لوگ آسانی سے لکھ پڑھ سکیں۔

لوئیس اِس کام میں دِل و جان سے لگ گیا۔ وہ جہاں بھی جاتا وہاں پر موٹے کاغذ اور کاغذ میں سوراخ کرنے کے لئے سُوا اور ایک تختی ساتھ لے کر جاتا۔ کیپٹن بار بیئر کو جب اس بات کا پتا چلا کہ ایک لڑکا اُن کے طریقے میں سُدھار کر رہا ہے تو وہ لوئیس کے سکول میں آیا۔ وہ ایک تنک مزاج آدمی تھا اور وہ یہ قبول کرنے کو تیار نہیں تھا کہ ایک بارہ سال کا نابینا اُن کے طریقے میں سُدھار کر کے اُسے اور بہتر بنا سکتا ہے۔ نابینا بچے اگر دو چار مضامین پڑھ لیں تو کیا یہ اُن کے لئے کافی نہیں؟ موٹی موٹی کتابیں پڑھ کر وہ کیا کریں گے؟ ملاقات کے بعد لوئیس کو کیپٹن بار بیئر سے مدد کی کوئی اُمید نہ رہی۔ اُسے یہ کام اکیلے ہی کرنا تھا۔

لوئیس اب ہر وقت اپنے کام میں مصروف رہتا۔ جب وہ چُھٹی پر گھر گیا تو وہاں بھی وہ ہر وقت اپنے سُوئے سے موٹے کاغذ پر چھید کر کے نقاط کے نمونے بناتا رہتا۔ لوگ اُس کے اِس شوق پر حیرانی کا اظہار کرتے۔ اُس کے ہمسائے اُس سے کاغذ کے نقاط کے بارے میں پوچھتے لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر اپنے کام میں لگا رہتا۔

سکول کی مصروفیات کے دوران اُسے سوچنے اور نئی ایجادات پر کام کرنے کا بہت کم وقت ملتا تھا۔ لیکن وہ کھانے سے پہلے اور رات کو سونے سے پہلے روز اِس کام کے لئے کچھ وقت نکالتا۔ کبھی کبھی وہ اپنے کام میں اتنا محو ہو جاتا کہ اُسے دِن رات کی کوئی خبر نہ ہوتی۔ کئی بار تو وہ کھانا کھانا بھی بھول جاتا تھا۔

تین سال تک اسی طرح پوری لگن کے ساتھ وہ اپنے تجربات کرتا رہا۔ اُس نے کیپٹن بار بیئر کے طریقے کو کافی آسان بنایا۔ لیکن اب بھی وہ اتنا آسان نہیں تھا جس سے نابینا بچے آسانی سے سیکھ سکیں۔ نقاط سے پڑھنا ابھی بہت مشکل کام تھا۔ کئی ماہرین اس مسئلے پر کئی سالوں سے کام کر رہے تھے لیکن اس کا کوئی حل تلاش نہ کر سکے تھے۔ جس کام کو بڑے پڑھے لکھے ماہر نہیں کر سکے کیا اُس ایک پندرہ سال کے نابینا لڑکے سے ہو پائے گا؟

ایک دِن لوئیس کے دماغ میں ایک آسان خیال آیا۔ کیپٹن بار بیئر کا طریقہ آوازوں پر مشتمل تھا۔ اگر حروفِ تہجی کے ہر حرف کے لئے نقاط کا خاص نمونہ ہو تو کیا اچھا نہیں ہے؟ حروفِ تہجی میں کیونکہ صرف 26 حروف ہیں۔ اس لئے اس میں صرف 26 نقاط کے نمونوں کی ضرورت ہی ہو گی۔ لوئیس کو اپنی اس حیرت انگیز ایجاد پر یقین نہیں ہو رہا تھا۔

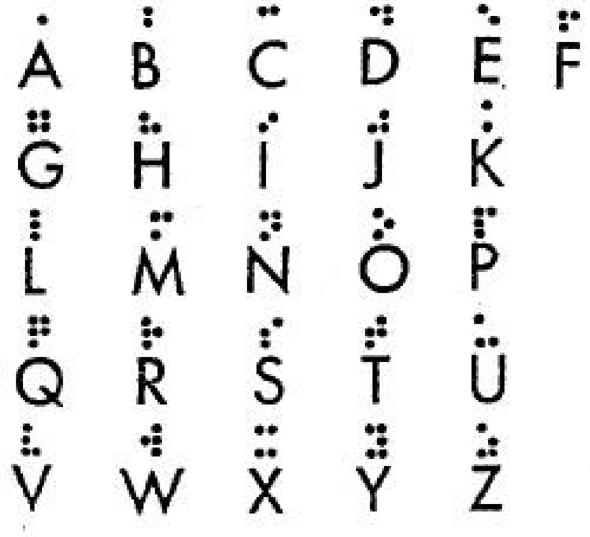

پہلے لوئیس نے موٹے کاغذ پر پنسل سے چھ نقاط کا نمونہ بنایا۔ یہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ لڈو کے پانسے پر چھ نشانات ہوتے ہیں۔ پھر اُس نے اُن نقاط پر 1 سے 6 تک کے حصے ڈالے۔ بعد میں اُس نے سُوئے سے ایک نمبر والے نشان کو اوپر اُٹھا دیا۔ اب وہ نمونہ اُس نے سُوئے سے اوپر اُٹھا دیا۔ اب وہ نمونہ حرف A کو ظاہر کرے گا۔ نمبر ایک اور دو نے نشانات کو اُٹھا دینے سے حرف B بن جائے گا۔ اِس طرح لوئیس نے حروفِ تہجی کے سبھی حروف سے چھ نشان والے نمونے بنا ڈالے جو اس طرح تھے۔ یہ طریقہ بہت آسان تھا۔ لوئیس کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ اُس نے نابیناؤں کے لئے پڑھنے کی ایک نایاب ترکیب ایجاد کر لی تھی۔

کامیابی ابھی کافی دور تھی

اِس حیرت انگیز ایجاد کو لوئیس نے تعطیلات کے دوران گھر میں کیا تھا۔ اب وہ پیرس میں اپنے سکول جانے کے لئے بیتاب تھا۔ جس سے کہ وہ اُسے اپنے نابینا ساتھیوں کو دکھا سکے۔ وہ اپنے دوستوں کے تاثرات جاننے کے لئے بیتاب تھا۔

لوئیس کے ساتھیوں کو نیا طریقہ بہت پسند آیا۔ نیا طریقہ بہت آسان تھا۔ نابینا بچے حروف کو لمس سے محسوس کر سکتے تھے۔ وہ پڑھ سکتے تھے اور اس طریقے سے لکھ بھی سکتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو خط لکھ سکتے تھے۔ شاید جلد ہی اس طریقے کے مطابق نابیناؤں کے لیے کتابیں بھی چھاپی جا سکیں؟

نئے حروف کی خبر سکول میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ سکول کے ڈائریکٹر نے لوئیس کو بُلایا اور اُس سے نئے طریقے کو سمجھانے کے لئے کہا۔ " آپ کچھ بولیں اور میں آپ کو اُسے لکھ کر دِکھاتا ہوں" لوئیس نے کہا۔

ڈائریکٹر صاحب نے ایک کتاب اُٹھائی اور اُنہوں نے اُس میں سے پڑھنا شروع کیا۔ " آپ تھوڑی تیز رفتار سے پڑھیں" لوئیس نے کہا۔ ڈائریکٹر صاحب جو کچھ پڑھ رہے تھے لوئیس اُن حروف، الفاظ اور جملوں کو کاغذ پر سُوئے سے سوراخ بنا بنا کر لکھ رہا تھا۔ جب ڈائریکٹر نے پڑھنا بند کیا تو لوئیس نے کاغذ کو اپنی اُنگلیوں سے ہلکے سے چُھوا اور اُن کے پڑھے جملوں کو ہُو بہو بغیر کسی غلطی کے پڑھ کر سُنایا۔ ڈائریکٹر صاحب بہت خوش ہوئے۔ اُنہیں یقین نہیں ہوا کہ اُن ہی کے سکول کا صرف پندرہ سال کا ایک نابینا لڑکا ایسی حیرت انگیز ایجاد کر سکتا ہے۔

لیکن ڈائریکٹر صاحب لوئیس کے طریقے کی تشہیر کے لئے کچھ کر سکنے سے قاصر تھے۔ سکول کے پاس مالی طور پر کمزور تھا۔ سکول کو کچھ پیسہ امداد کے طور پر تو ملتا تھا اور باقی پیسے مالدار لوگوں سے

خیرات میں ملتا تھا۔ سکول کے پاس لوئیس کے طریقے کو مطابق کتابیں چھاپنے کے لئے پیسے نہ تھے۔ ڈائریکٹر نے کئی نامی گرامی لوگوں اور اداروں کے خط لکھے۔ ایسے لوگوں کو خط لکھے جنھوں نے اپنی ساری زندگی نابینا افراد کی خدمت میں گزاری تھی۔ لیکن کوئی بھی مدد کرنے کے لئے آگے نہیں آیا۔ لوگ جواب میں حوصلہ افزائی کے خط لکھتے لیکن کسی نے بھی توجہ سے نابیناؤں کی فلاح کے لئے حامی نہ بھری۔

اس طرح چار سال گزر گئے۔ اُنیس سال کی عمر میں لوئیس نے سکول کی اپنی پڑھائی ختم کی۔ ڈائریکٹر صاحب اُس کی شاندار ایجاد کے شروع سے ہی قائل تھے۔ لوئیس نے لگ بھگ سبھی مضامین میں انعامات حاصل کئے تھے۔ موسیقی میں تو وہ آگے تھا ہی۔ ہاتھ کے کام میں بھی وہ بہت ماہر تھا۔ اس لئے ڈائریکٹر صاحب نے لوئیس سے سکول میں پڑھانے کے لئے درخواست کی۔

لوئیس نے خوشی سے اپنے سکول میں اُستاد کا عہدہ سنبھالا۔ لوئیس پیرس میں رہنا چاہتا تھا جس سے کہ وہ اپنی ایجاد کے لئے لوگوں سے مل سکے۔ سکول میں تنخواہ کم تھی لیکن اُسے رہنے کے لئے ایک الگ کمرہ دیا گیا تھا۔ لوئیس کو پڑھانے میں مزا آتا تھا۔ وہ اپنے سبق پڑھانے کے لئے پُوری تیاری کر کے

جاتا تھا۔ شروع سے ہی شاگرد لوئیس کو چاہنے لگے تھے۔ لوئیس کمزور شاگردوں پر زیادہ دھیان دیتا تھا۔ اُس کے شاگرد چاہے کچھ بھی غلط کریں وہ کبھی بھی اُن سے چِڑتا نہیں تھا۔ ایک بار اُسے پیرس کے سب سے بڑے گرجاگھر میں پیانوں پیش کرنے کے لئے بُلایا گیا تھا۔

موسیقی کے علاوہ وہ لگاتار نقاط سے لکھنے کی ایجاد پر کام کرتا رہا۔ وہ گھنٹوں کتب خانے میں بیٹھ کر اُبھرے ہوئے نشانات والی کتابیں بناتا رہتا تھا کہ اُس کے شاگرد اور زیادہ کتابوں کو پڑھ سکیں۔ اُس کے کچھ دوست جو پڑھ سکتے تھے وہ لوئیس کو عام کتابیں پڑھ کر سُناتے اور لوئیس اپنی انتھک لگن اور محنت سے اُنہیں نابیناؤں کے لئے نشانات والی کتابوں میں بدل دیتا تھا۔

اِس سخت محنت اور پیرس کی نمی کا اُس کی صحت پر بہت بُرا اثر ہوا۔ کبھی کبھی وہ اتنا تھک جاتا تھا کہ اُس سے پلنگ سے اُٹھا ہی نہیں جاتا تھا۔ اکثر سیڑھیاں چڑھتے وقت وہ ہانپنے لگتا اور رُک رُک کر ہی اوپر کی منزل تک پہنچ پاتا۔ اُسے کھانسی بہت آتی تھی۔ ایک دِن ڈاکٹر نے اُس کی جانچ کی۔ لوئیس کو ٹی بی ہو گئی تھی۔ اُس وقت اِس خطرناک بیماری کا کوئی علاج نہ تھا۔ اچھا کھانا، صاف ہوا اور آرام ہی اس بیماری کا علاج سمجھا جاتا تھا۔

لوئیس نے ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق اپنے زندگی کو تھوڑا تبدیل کیا۔ اب وہ وقت پر سوتا اور ہر روز صاف ہوا کے لیے کچھ دیر کے لئے گھومنے جاتا۔ اس دوران ڈائریکٹر کو کہیں سے تھوڑی سی امداد مل گئی اور اُس نے لوئیس سے اُس کی ایجاد پر کتاب لکھنے کے لئے کہا۔ اس سے لوئیس کو لگا یہ اُس کے طریقے کی تشہیر میں مدد ملے گی۔ ڈائریکٹر نے اس کتاب کی کئی کاپیاں اہم لوگوں کو بھیجیں۔ لیکن دُکھ کی بات یہ ہے کہ اُن میں سے کسی نے جواب تک نہ دیا۔

پُرانے ڈائریکٹر کا اِس دوران تبادلہ ہو گیا۔ نئے ڈائریکٹر کا لوئیس کے ساتھ رویہ ٹھیک نہ تھا۔ لوئیس کی

ایک بار پھر طبیعت خراب ہو گئی۔اِس بار اُسے کچھ مہینے کے لئے گھر جانا پڑا۔جب وہ سکول واپس آیا تو اُسے پتا چلا کہ اُس کی غیر موجودتی میں نئے ڈائریکٹر نے اُس کی ساری کتابوں کو جلا دیا۔لوئیس کو یہ سُن کر بہت دُکھ ہوا۔

مقامی عملے کو لوئیس کے طریقہء تعلیم سے ڈر تھا۔اگر نابینا لوئیس کی کتابوں سے خود پڑھ لکھ جائیں گے تو سکول میں سبھی اساتذہ کی چھٹی ہو جائے گی۔ پھر ڈائریکٹر کی بھی ضرورت نہیں ہو گی۔ڈائریکٹر نے سکول میں لوئیس کے طریقہ تعلیم پر پابندی لگادی۔کیونکہ لوئیس کا طریقہ اتنا آسان تھا اس لئے طالب علم اُسے کسی بھی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔آخر میں نئے نشانات والے کاغذ اور سُوئے چِھن سکتے تھے۔ لیکن وہ طالب علموں کے خوابوں پر روک نہیں لگا سکتے تھے۔آخر میں ڈائریکٹر نے سب طلبہ کو لوئیس کے طریقے کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔

نئے طریقے کا مظاہرہ

پھر ایک دن ڈائریکٹر نے لوئیس کے طریقے کا مظاہرہ کرنے کے لئے بہت سے اہم لوگوں کو مدعو کیا۔ اس کے لئے سکول کو کا اچھی طرح سجایا گیا۔ پہلے تو کچھ لوگوں نے تقریر کی اور آخر میں لوئیس سے نئے طریقے کے مظاہرے کے لئے کہا گیا۔ اس کے لئے ڈائریکٹر ایک نابینا طالبہ کو سامنے سٹیج پر لائے۔ پھر ایک کتاب کی موٹی گڈھی کے درمیان میں سے اُنہوں نے ایک کتاب نکالی اور اُس کو درمیان میں سے کھول کر پڑھنے لگے۔ وہ طالب علم اُن کے بولے الفاظ کو کاغذ پر سُوئے سے نشانات بنا کر لوئیس کے مطابق لکھنے لگی۔ جب ڈائریکٹر نے پڑھنا بند کیا تو پھر اُس طالبہ نے اپنی اُنگلیوں سے کاغذ پر اُبھرے الفاظ کو چُھو کر پڑھنا شروع کیا۔ طالبہ نے کوئی بھی غلطی نہیں کی۔ سب لوگ اِس مظاہرے سے بہت متاثر

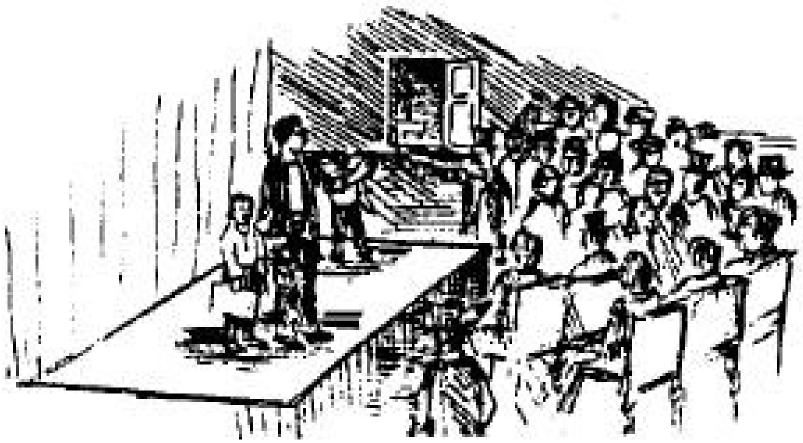

ہوئے۔ لیکن کچھ لوگوں نے کہا کہ اُن کہ یہ دھوکا دہی ہے۔ اُنہیں لگا کہ لڑکی نے ڈائریکٹر کے پڑھے الفاظ پہلے سے رٹے ہوئے تھے۔

لوئیس نے لوگوں سے مطمین ہو کر بیٹھنے کو کہا۔ پھر لوئیس دو نابینا طالبعلموں کو سٹیج پر لایا۔ ایک طالب علم کو دور کے کمرے میں بھیج دیا گیا۔ پھر حاضرین یہں سے کسی بھی ایک آدمی کو سٹیج پر آنے کے لئے کہا گیا۔ اِس دوران سٹیج پر کھڑا ایک طالب علم پڑھے گئے الفاظ کو سُوئے سے کاغذ پر لکھتا رہا۔ اُس کے بعد دوسرے کمرے سے دوسرے طالب علم کو بُلایا گیا اور اُسے نشانات والا کاغذ تھمایا دیا گیا۔ دوسرے طالب علم نے بغیر کسی غلطی کے پڑھ کر سُنایا۔ اِس بار غلطی یا دھوکے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ سب لوگ کھڑے ہو گئے اور سارا سکول تالیوں سے گونج اُٹھا۔ لوئیس کے طریقے کو پہلی کامیابی ملی۔ 1844 میں لوئیس بریل کی طبیعت بہت خراب ہو گئی اور اُنہیں سکول کی نوکری چھوڑنی پڑی۔ اُن کا طریقہ تحریر برائے نابینا افراد اب بریل کے نام سے جانا جانے لگا تھا۔ وہ اب ٹی بی سے کمزور ہو گئے اور اُنہیں زیادہ تر بستر پر لیٹے گزارنا پڑ رہا تھا۔ روزانہ اُن سے بہت سے لوگ ملنے کے لئے آتے تھے۔ لاکھوں کروڑوں نابینا افراد کو اندھیروں سے نکالنے والے اس عظیم شخص کی موت 6 جنوری 1852 کو ہوئی۔

بریل کی موت کے بعد ہی اُن کے طریقہ تعلیم کی تشہیر ساری دُنیا میں ہوئی۔ بریل کی موت کے کچھ سال بعد امریکہ میں پہلی بار نابیناؤں کے لئے سکولوں میں بریل کی کتابیں استعمال ہونے لگیں۔ اُن کی موت کے سو سال بعد 1952 میں فرانس میں ایک بہت بڑا جلوس نکالا گیا جس میں مشہور ہستیاں شامل تھیں۔ صدر، وزیرِ اعظم وغیرہ۔ لیکن جلوس میں سب سے زیادہ تعداد نابینا افراد کی تھی جن کی زندگی میں لوئیس بریل نے اُمید کی ایک نئی کِرن جگادی تھی۔

بچپن میں ایک سُوئے کے چُبھنے سے ہی لوئیس کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی تھی اُسی طرح کے سُوئے سے ہی بعد میں لوئیس نے نابیناؤں کے لئے بریل تحریر ایجاد کی۔ اپنی آنکھوں کی روشی کھو کر اُنہوں نے سارے نابیناؤں کو اُجا گر کیا۔